قدیم ہندوستان کے تعلیمی نظام پر ایک نظر

کلیدی الفاظ: تہذیب #ثقافت # تشکیل#تعلیم # وقت# معاشرہ #ثقافت

زرینہ عبدالسلیم

اسسٹنٹ پروفیسر و ہیڈ (شعبۂ اردو)

یشوداگرلس آرٹس اینڈ کامرس کالج، اسنہ نگر، ناگپور

تلخیص: تعلیم کا مقصد انسان کو باشعور بنانا ہوتا ہے۔ انسان نے جس وقت روئے زمین پر قدم رکھا اسی وقت سے کسی نا کسی صورت میں تعلیم کا رواج پایا جاتا ہے۔ تعلیم دینے اور حاصل کرنے کا رواج مختلف فیہ رہا ہے۔ تعلیم ایک ایسا عمل ہے جو زمانہ قدیم سے انسان کو متاثر کرتا چلا آرہا ہے اور انسان نے تعلیم کے ذریعے ہی ایک بہترین معاشرہ اور اپنی مثالی تہذیب وثقافت تشکیل دی ہے۔ تعلیم وقت، معاشرہ، ثقافت اور ملک کی جغرافیائی صورتحال کے مطابق بدلتی رہی ہے۔ لیکن آج ہمارا تعلیمی نظام ایسا ہو گیا ہے کہ ہم تعلیم کا مطلب اسکول، کالج یا یونیورسٹی میں جا کر اساتذہ سے مختلف موضوعات پر دس یا بیس تیس کتابیں پڑھنا سمجھتے ہیں۔ اس طے شدہ نصاب کے مطابق انسان نے جتنی زیادہ کتابیں پڑھی ہیں اور جتنے زیادہ امتحانات پاس کیے ہیں، ہماری نظر میں وہ اتنا ہی زیادہ پڑھا لکھا یا دانشور سمجھا جاتا ہے۔ آج کل لوگ سمجھتے ہیں کہ جو شخص حروف سے ناواقف ہو اور ایک یا ایک سے زیادہ زبانیں پڑھنے لکھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو وہ کبھی پڑھا لکھا نہیں کہلا سکتا۔ لیکن قدیم ہندوستانی نظامِ تعلیم ایسا نہیں تھا، جس میں طلبہ کو صرف ایک شعبے میں تعلیم نہیں دی جاتی تھی بلکہ انھیں جسمانی، ذہنی، فکری اور روحانی قوتوں کی نشوونما کے لیے تعلیم دی جاتی تھی۔ تاکہ وہ اپنی زندگی میں کسی بھی مشکل کا سامنا کر سکیں۔ لیکن کیا آج کی تعلیم ایسا کرنے سے قاصر ہے۔ اس بات پر بحث کے اغراض و مقاصد سے "قدیم ہندوستان کے تعلیمی نظام پر ایک نظر" موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے اور اس مقالہ میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

قدیم ہندوستان میں تعلیم وتعلّم کی کافی اہمیت تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کے قدیم ترین علمی مراکز ٹیکسلا(Taxila) اور نالندا (Nalanda)اسی خطے میں واقع تھے۔ تاریخی آثار سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی تاریخ کے ابتدائی دور میں ہی یہاں مذہب، ریاضی، منطق اور فلسفہ جیسے مضامین کی تعلیم عام تھی اور ٹیکسلا و نالندا جیسے ہندو اور بدھ مت کے مذہبی مراکز، اعلیٰ تعلیم کے بھی اہم مراکز تھے۔ قدیم ہندوستانی معاشرے میں بچوں کو ابتدائی تعلیم والد خود دیا کرتے تھے۔ بچے کی تعلیم کے باقاعدہ آغاز کی عمر مختلف ذاتوں کے اعتبار سے پانچ (5) سال سے بارہ (12) سال تک تھی۔ بچہ جب مقررہ عمر تک پہنچ جاتا تو تعلیم کے آغاز کی ایک خصوصی تقریب منعقد ہوتی اور اس کے بعد پڑھانے وسکھانے کا عمل شروع ہوجاتا تھا۔ ہر بچہ ایک خاص گرو یا استاد کے پاس جاتا جو ویدوں اور دیگر علوم کی تعلیمات سے اس کے ذہن کو آراستہ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے نوجوان دور دراز کے علمی مراکز کا سفر بھی کرتے تھے تاکہ وہ تھوڑی مشقت اٹھا کر بہترین تعلیم حاصل کرسکیں۔ عوام میں تعلیم کا رجحان کم تھا لیکن اس کے باوجود عورتوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت تھی۔ ایسے دانشوروں اور روشن خیال لوگوں کے باوجود، قدیم ہندوستانی معاشرہ زندگی کے بنیادی اور اہم سوالات مثلاً ہمیں کس نے پیدا کیا؟ ہمیں اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا؟ کو حل کرنے میں یکسر ناکام رہا تھا اور علم کی بنیاد عقل وشعور پر رکھنے کے بجائے توہم پرستی و دیومالائی واساطیری تصورات پر استوار کر چکا تھا۔ اسی وجہ سے ان کی اہم علمی شخصیات بھی حق اور سچ کی راہ سے غافل رہیں اور گمراہ ہوکر نفسانی خواہشات کے دلدل میں منہمک ہوگئیں اور اپنی اس لاعلمی وخود غرضی سے ایک ایسا دستور العمل مرتب کیا جس نے محدود مدت تک بظاہر دنیاوی خوشی اور لطف اندوز ہونے کا انتظام تو کیا لیکن وہ دل و دماغ اور روح کا ابدی و داخلی سکون فراہم کرنے میں مکمل ناکام رہا تھا۔ تاریخی مثالوں سے اس دھرتی کے انتہائی روشن ذہنوں کی محدود علمیت آشکار ہوتی ہے نیز ان بھٹکے ہوئے قلوب و اذہان کے لیے الہامی وحی کی ضرورت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قدیم ہندوستانیوں کے مطابق، تعلیم ان پیدائشی صلاحیتوں کی تربیت ونشوونما کا نام تھا جو دراصل سابقہ زندگیوں سے حاصل ہوئی تھیں۔ قدیم ہندوستانیوں کا خیال تھا کہ زندگی چار آشرم یا چار مراحل پر مشتمل ہوتی ہے اور ان میں پہلا مرحلہ ہی طالب علم بننے کا ہے۔ طالب علم کے پہلے اساتذہ والدین ہوتے تھے۔ باضابطہ تعلیم کا عمل اس وقت شروع ہوجاتا جب بچے کو پیشہ ور اساتذہ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا جاتا

تھا جو خاندان کی معاشرتی حیثیت کے مطابق بچے کو تعلیم دیتا تھا۔ 1 ہندوستانی تعلیم کے قدیم نظام کا مقصد کردار کی تشکیل، شخصیت کی تعمیر، قدیم ثقافت کا تحفظ اور معاشرتی و مذہبی فرائض کی انجام دہی کے حوالے سے ابھرتی ہوئی نئی نسل کی تربیت کرنا تھا۔ 2

ہندوستان کے قدیم نظام میں، تعلیم اور ثقافت خودمختار تھے جبکہ ریاست اور منظم قوم ان کی بدولت غیر معمولی نفع حاصل کرتی تھی۔ ان کی قدر و منزلت اور اہمیت، ان کا مذہب، اخلاقیات، اثر انگیزی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اثرات علم اور نظامِ تعلیم ہی کے بدولت تھے۔ قانون ساز ادارے اور منتظمہ کے محکموں نے ان پر قابو رکھنے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی ان کے انتظام میں مداخلت کی تھی۔ بادشاہوں نے جامعات بنائیں اور انہیں دولت اور ذرائع عطا کیے لیکن ان کے اختیارات اور کام میں کبھی مداخلت نہیں کی تھی۔ 3

قدیم ہندو معاشرہ جو چار ذاتوں میں تقسیم تھا جن میں سے برہمن طبقے سے ہی تمام اساتذہ تعلق رکھتے تھے اور وہی تمام قانون سازی کے منتظمین تھے۔ اعلیٰ ادبی تعلیم برہمنوں کے لیے مخصوص تھی۔ اس طبقے کے تمام افراد کو مقدس تحریروں، اور ہندوؤں کے فلسفیانہ عقائد کے بارے میں زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنا لازم تھا۔ مذہبی تحریروں اور طرز عمل کی منظور شدہ شکلوں کے علم کی بدولت تعلیم یافتہ مذہبی طبقہ سیاسی، معاشرتی اور مذہبی طور پر حکمران طبقے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ نظریاتی طور پر اس گروہ کے ہر فرد نے اپنی زندگی کو مطالعے اور اس کے ساتھ ساتھ موزوں سرگرمیوں کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ نچلے طبقے کے پاس اس طبقے کی رکنیت حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اس لیے اعلیٰ تعلیم صرف اس برہمنی طبقے تک محدود تھی نیز ان پر ریاست اور معاشرے کی طرف سے کسی قسم کی کوئی اور ذمہ داری بھی عائد نہیں کی جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت علمی سرگرمیوں میں صرف کرتے تھے۔ 4 تعلیم کی طبقاتی تقسیم محض معاشرے میں اپنی اجارہ داری اور بڑھوتری کو برقرار رکھنے کے لیے ہی رکھی گئی تھی۔ درحقیقت خود کو اعلیٰ ذات کہلوانے والے بغض و حسد، تکبر اور لالچ جیسی قبیح صفات کے اثرات سے بھرے پڑے تھے اور دیگر ذوات کو اپنے برابر لانا انہیں کسی طور پر بھی قابل قبول نہیں تھا۔

برہمنوں کو معاشرے سے الگ تھلگ برہمنی گرو کی خدمت میں بارہ سال تک تعلیم حاصل کرنا لازم تھا تاکہ وہ ویدوں، قواعدِ زبان، اور رسم رواج کے متعلق علم حاصل کر سکیں۔ مقدس کتابوں کو کسی ایک حرف کی غلطی کے بغیر حرف بحرف ٹھیک تلفظ اور لہجے کے ساتھ حفظ کرنا بھی نصاب کا حصہ تھا۔ اس طریقہ تعلیم میں زبانی یاد کرنے اور تربیت کے

طریقہ کار کے ذریعے ذہنی نشوونما کی اعلیٰ سطح حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔5۔

شودر ذات کے افراد (Sudras) کے لیے ویدوں کی تعلیم ممنوع تھی اور اگر کوئی شودر مجلس میں آجاتا تو وید کی تعلیم جان بوجھ کر روک دی جاتی تھی تاکہ اس کے کانوں میں اس کی آواز نہ پڑ جائے۔ جان بوجھ کر وید سننے، یاد کرنے یا اس پر بات کرنے پر شودر ذات کے لیے سخت سزائیں تھیں۔6۔

شودر ذات کے افراد اور چاروں ذاتوں میں سب سے کمتر سمجھے جانے والے اچھوت (Pariahs) کسی قسم کی رسمی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ جنگجو اور صنعتی طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد ادبی درس گاہوں تک رسائی رکھتے تھے لیکن اس سے انہیں زیادہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا تھا۔ مقدس متن کا کچھ خاص حصہ جو مختلف مواقع پر پڑھا جاتا تھا اس کو زبانی یاد کرنا ہی ان طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے کافی سمجھا جاتا تھا۔ عملی اور پیشہ ورانہ نوعیت کی تعلیم وتربیت گھر پر یا دیہات کے سماجی ماحول میں رسوم اور اقدار سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے دی جاتی تھی۔ یہی دو ادارے دراصل درس گاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ تاہم یہاں کے لوگوں کی اکثریت نہ ہی برہمنوں کی درس گاہوں میں اور نہ ہی گھر اور گاؤں کے سماجی ماحول میں پڑھنا لکھنا سیکھتی تھی، ذات پات کے نظام میں جہاں بچہ اپنے والدین کا پیشہ ہی اپناتا تھا تعلیم وتربیت خود کار طریقے سے ایک نظام کے تحت منتقل ہوجاتی تھی۔ یہ تربیت صرف دستکاریوں اور صنعتوں سے متعلق ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ دیگر مضامین مثلاً ریاضی وغیرہ کی تعلیم بھی جو عموما خاندان میں ہی شاگردی کے طریقے سے دی جاتی تھی۔7۔

قدیم ہندوستان میں تعلیم ایک طویل عرصے تک نجی اتالیق کی ذمہ داری رہی جو ملک کے طول وعرض میں موجود تھے۔ ان مقامات پر اساتذہ بہت زیادہ تعداد میں دستیاب ہوتے تھے جو ان کے شعبے کی ضروریات پوری کرنے کے حوالے سے زیادہ سازگار تھے۔ ایسے مقامات زیادہ تر دارالخلافہ میں ہوتے یا پھر مشہور مقدس مقامات اور شہری علمی مراکز میں ہوتے تھے۔ بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کی قانون کی رو سے یہ ذمہ داری تھی کہ وہ علم کی سرپرستی کریں۔ اسی وجہ سے پڑھے لکھے برہمن ان کے درباروں سے منسلک ہوتے تھے۔

بادشاہ اور جاگیردار بطورِ حکمران تعلیم کی سرپرستی کرتے تھے، لہٰذا پڑھے لکھے برہمن خود ہی ان کے درباروں کی طرف راغب ہوتے تھے۔ یہ وہ حالات تھے جنہوں نے شمالی ہندوستان میں ٹیکسلا (Taxila)، پاٹلی پتر (Pataliputra)، کنوج

(Kanauj)، میتھلا (Mithila)، دھارا (Dhara)،جنوبی ہند کے مالکھیڈ (Malkhed)، کلیانی (Kalyani) اور تنجور (Tanjore) جیسے شہروں کو تعلیم کے مشہور مراکز بنا دیا تھا۔قدیم زمانے سے ہی ہندوؤں کے یہ مقدس مقامات تعلیم کے مشہور مراکز تھے۔زائرین کی آمدورفت نے وہاں مقیم مشہور اساتذہ کو آمدنی کا ایک ذیلی ذریعہ بھی فراہم کر دیا تھا۔8؎

قدیم ہندوستان میں رائج نظام کے مطابق آٹھ سال تک کے بچوں کو ابتدائی تعلیم اور آٹھ سے بارہ سال تک کے بچوں کو ثانوی تعلیم دی جاتی تھی۔9؎ پرائمری اسکول جدید معنی میں شاید ابتدائی دور میں موجود نہیں تھے لیکن للیتا وستر (Lalita Vistara) نے حوالوں کے ساتھ بتایا ہے کہ ابتدائی تعلیم کے اسکول بدھا کے عہد (چھٹی صدی قبل مسیح) میں موجود تھے۔بدھا نے بھی دنیا کے معمول کے مطابق مکتب (لکھنا پڑھنا سکھانے والے ابتدائی اسکول) میں تعلیم حاصل کی تھی اور اعداد و شمار، حساب کتاب، تحریر، اور ہر اس چیز کی اچھی طرح سے مشق کی تھی جو اس زمانے کی تعلیم میں مروج تھی اور پھر بعد میں بے شمار بچوں کی اہم ترین راہ پر تربیت کی اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے لاکھوں لوگوں کو بدھ مت کی تعلیم دی۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے اسکول اخلاقی احکامات کے ساتھ ساتھ پڑھنے لکھنے اور حساب و کتاب کیساتھ ساتھ فنون لطیفہ کی بھی تعلیم دیتے تھے۔عام طور پر ابتدائی تعلیم کے اسکول درختوں کے نیچے کھلی ہوا میں یا خراب موسم کے دوران ڈھکے ہوئے چھپروں کے نیچے ہوتے تھے۔ یہاں یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ حروف تہجی پڑھانے کا ایک جدید نظام تب بھی جانا جاتا تھا جس میں استاد ان میں سے ہر ایک حرف کے ساتھ شروع ہونے والے ایک جملے کے ذریعے اس حرف کی ادائیگی بچوں کو سکھاتا تھا۔10؎ لڑکے اپنی تعلیم کے آغاز سے پہلے ہی بہت سی چیزیں بچپن میں ہی سیکھ لیتے تھے۔11؎ جب وہ بچپن کی عمر سے آگے بڑھتے تو وہ مشترکہ خاندانی زندگی میں تیزی سے حصہ لینا شروع کر دیتے تھے جس سے ان میں مستحکم اور محفوظ ہونے کا احساس پیدا ہوتا تھا۔تاہم بعض اوقات کچھ رشتہ داروں سے تعلقات کشیدہ بھی ہو جاتے تھے۔مشترکہ خاندان کی ساخت میں کسی ایک خاندان کے اندر گہری جذباتی وابستگی کو برداشت نہیں کیا جاتا تھا یوں بچے کے والد کا اپنے بیٹے کے ساتھ خصوصی پیار ظاہر کرنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی تھی اور بچے کے لیے اپنے والد کے بھائیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی قریبی رشتہ قائم کرنا ضروری تھا جیسا والد کے ساتھ ہوتا تھا۔

عام طور پر باپ بیٹے کی خودمختاری کو فروغ دینے اور اس کی والدہ پر انحصار کم

کرنے کی جدوجہد میں زیادہ مداخلت نہیں کرتا تھا لہٰذا والدہ پر یہ انحصار ساری زندگی مستحکم رہتا تھا۔ باپ دادا کا رشتہ ایسا نہیں تھا کہ ان سے گہرا اور قریبی تعلق بنایا جا سکے بلکہ اس کے بجائے عام طور پر بڑے افراد اور شخصیات، خصوصاً والد کے ساتھ تابعداری اور عزت واحترام کا رویہ روا رکھا جاتا تھا۔ بچے خاندانی اجتماعات یا ذات پات کی مجلسوں میں بیٹھتے تھے جہاں احترام اور اطاعت کرنا سیکھتے تھے اور اپنے مخصوص طبقاتی تعصّبات کو دوام دیتے تھے۔ وہ بزرگوں کے اقوال کی بار بار مثالوں، تہواروں کے گانوں، مندروں کے خطبات اور رزمیہ نظموں اور پرانوں کی تلاوت سے تمام طبقاتی معاملات سیکھتے تھے۔ پھر پانچ سال کی عمر میں ویدوں کے مطالعے کی ابتدا کی شرط کے طور پر اور تحصیل علم کے آغاز کی نشاندہی کے لیے ودیا آرمبھ (vidyarambha) کی رسم انجام دی جاتی تھی۔ عام طور پر وجیادَشمی کے خاص دن (Vijayadasami Day) مندر میں ایک پجاری کی نگرانی میں تقریب منعقد کی جاتی تھی جس میں بچوں کو چاول کی تہہ پر روحانی منتر لکھنے ہوتے تھے۔ 12 کھشتری ذات (The Kshatriya) میں یہ تقریب گیارہ (11) سال کی عمر میں منعقد کی جاتی تھی اور ویشیہ ذات (the Vaishya) میں بارہ (12) سال کی عمر میں اس تقریب کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ 13 دینی کاموں اور طریقوں کے مطالعے کے اعلیٰ تعلیمی ادارے بادشاہوں، راجاؤں اور مہاراجاؤں کے دربار میں تھے۔ تعلیمی اداروں میں پڑھائے جانے والے مضامین میں سیکولر اور روحانی مضامین دونوں شامل تھے۔ ابتدائی مرحلے میں دونوں شاخوں کو دکشا گرو (Diksha Guru) یا طلبا کا روحانی رہنما سکھاتا تھا۔ لیکن بعد میں اتالیق کا عہدہ دکشا گرو اور سکشا گرو (Siksha Guru) سے الگ کر دیا گیا تھا۔

ان میں سے پہلا دین کے سربستہ رازوں کو سمجھنے میں شاگرد کی رہنمائی کرتا تھا جبکہ مؤخر الذکر نے تمام سیکولر مضامین کا چارج سنبھال لیا تھا۔ مقدس قوانین میں سے کچھ ان درس گاہوں کے نصاب کا بھی حصہ تھے جن میں نہ صرف تمام آریاؤں کے اخلاقی فرائض کے احکام شامل تھے بلکہ بادشاہوں کے طرزِ عمل اور انصاف کے انتظام سے متعلق خصوصی احکام بھی شامل تھے۔ جب تک ان کا مذہبی لٹریچر سادہ اور مختصر صحائف پر مشتمل تھا تب تک صرف ایک ہی طرح کے تعلیمی ادارے تھے جنہیں ویدک اسکول (Vedic Schools) کہا جاتا تھا لیکن چونکہ ان مضامین میں سے ہر ایک کے لیے مواد جمع ہو گیا تھا اور ان کو برتنے کا طریقہ کار بھی مکمل ہو گیا تھا اسی وجہ سے بعد میں یہ تعلیمی ادارے ویدک اسکولوں اور سائنس کی خصوصی درس گاہوں کے طور پر الگ الگ ہو گئے تھے۔

ویدک اسکولوں میں طلبا اور اساتذہ نے اپنی توانائیوں کو صرف نصوص کے بارے میں مکمل اور درست معلومات کے حصول کے لیے صرف کیا تھا لیکن ان کے موضوع کو سمجھنے کی طرف بہت کم توجہ دی یوں وہ ''زندہ لائبریری'' بن گئے تھے۔ وہ ان مذہبی متون کے حقیقی استعمال کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ ان کا سارا زور عقل و شعور اور درایت کے بجائے روایت کی بلا سوچے سمجھے منتقلی پر تھا۔

ویدک اسکولز (مذہبی درسگاہیں) جو کبھی علم و دانش کے مراکز سمجھے جاتے تھے، وقت کے ساتھ ساتھ عقل و شعور، سمجھ بوجھ، تحقیق اور فکرِ جستجو کے راستے سے ہٹتے گئے اور سائنسی تعلیم کے خصوصی اداروں نے ان کی جگہ لے لی تھی۔ ان اداروں کے نصاب میں مروّجہ علوم، زبان و بیان کے قواعد، قانون اور فلکیات کا علم شامل تھا۔ پھر وقت گزرنے کے بعد ان خصوصی اداروں کے ساتھ ساتھ قانون کی درسگاہوں نے بھی ترقی کی جس نے افرادِ معاشرہ کو قانون اور مختلف فرائض کی مکمل تربیت دی تھی۔ تعلیم کا سب سے اہم مرکز پریشاد (the Parishads) یا برہمنی درسگاہیں (Brahmanic Colleges) تھیں۔ یہ اصل میں تین برہمنوں نے قائم کیے تھے بعد میں آہستہ آہستہ یہ تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ یہ طے کرلیا گیا کہ ایک پریشاد کو 21 برہمنوں پر مشتمل ہونا چاہیے جو فلسفہ، مذہب اور قانون پر عبور رکھتے ہوں۔ 14؎ پورے نصاب کے دوران، اسکول اور کالج دونوں میں طالب علم کو برہم چریہ (Brahmacharya) کے اصول پر عمل کرنا لازم تھا یعنی سادہ لباس پہننا، سادہ کھانا کھانا، سخت بستر کا استعمال کرنا اور کنوارگی و تجرد کی زندگی گزارنا ان پر لازم تھا۔ 15؎

چھٹی صدی قبل مسیح میں علم کا مرکز ٹیکسلا میں منتقل ہو گیا تھا۔ یہ برہمنی تعلیم (Brahmanical Learning) کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں مختلف درس گاہوں میں علم کے 16 شعبوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ جن میں سے ہر ایک کی صدارت ایک خصوصی پروفیسر کرتا تھا۔ ٹیکسلا میں مصوری، مجسمہ سازی، شبیہ سازی اور دستکاری کی درسگاہیں بھی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ادب اور زبان کے قواعد کے ماہر پانینی (Panini) اور چندر گپت (Chandragupta) کے وزیر کوٹلیہ چانکیہ (Kautliya Chanakya) نے بھی یہیں تعلیم حاصل کی تھی۔ یہاں کے طلبہ کو اپنی تعلیم کے اخراجات خود اٹھانے پڑتے تھے۔ 16؎

جامعات کی سطح کے ادارے طلبا کو بعض خاص مضامین میں علم کی تکمیل کے مرحلے تک پہنچایا کرتے تھے۔ طالب علم ان اداروں میں شامل ہونے سے پہلے ہی کہیں

اور سے ثانوی تعلیم کا مرحلہ مکمل کر کے آتے تھے۔ قدیم ہندوستانی جامعات میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آنے والے طلبا کی عمر تقریباً سولہ (16) سے بیس (20) سال کے درمیان ہوتی تھی۔ ٹیکسلا اپنے اساتذہ کی قابلیت کی وجہ سے اس قدر مشہور تھا کہ سینکڑوں طلبا اپنے گھر کی آسائشوں کو ایک طرف چھوڑ کر علم کی تلاش میں یہاں چلے آتے تھے۔ ان کے والدین کی اس جگہ بھیجنے میں بہت بڑی قربانیاں شامل ہوتی تھیں۔ خاص طور پر جب اس دور میں طویل سفر کے دوران خطرے کو مدنظر رکھا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ جب سفر سست، خطرناک اور غیر یقینی تھا تو یقیناً طلبِ علم کی راہ میں ان طلبا کی لگن قابلِ ستائش تھی۔

طلبہ سادہ زندگی گزارتے تھے۔ کچھ طلبا اساتذہ کے گھر رہتے تھے اور کچھ شہر کے امیر لوگوں کے ہاں رہائش اختیار کرتے تھے۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جب استاد شاگرد کے مابین اچھے تعلقات غیر اخلاقی جنسی تعلق کا باعث بھی بن جاتے تھے۔ چھٹیاں ہونے پر درسگاہیں بند کر دی جاتی تھیں۔ بیرونی وجوہات عملِ تدریس کے بار بار رکنے کی وجہ بنتی تھیں۔ ان غیر معمولی حالات میں بے وقت بادلوں کا آجانا، گرج چمک، بجلی، تیز بارش، ٹھنڈ، دھول کے طوفان، سورج یا چاند کا گرہن ہوجانا وغیرہ ایسے عوامل تھے جو عملِ تعلیم کو معطل کرنے کا سبب بنتے تھے۔ اس کے علاوہ دو لشکروں یا دیہاتوں کے مابین لڑائی، کُشتی کے مقابلے اور مقامی رہنما کی موت جیسے عوامل بھی تعلیمی ادارے بند ہوجانے کا موجب بنتے تھے۔ معمولی وجوہات مثلاً اس علاقے میں جہاں اسکول واقع ہو، وہاں بچے کی پیدائش اور توہم پرستانہ باتوں کی وجہ سے بھی درس وتدریس کا کام معطل کر دیا جاتا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے اشرافیہ بھی توہم پرستی پر یقین رکھتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب طلبہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وطن واپس آتے تو ان کا دل کھول کر استقبال کیا جاتا تھا اور انہیں عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ تاریخی کتابیں یہ بیان کرتی ہیں کہ جب رکھیّا (Rakkhia) پدلی پتھ (Padaliputta) سے واپس آیا تو ریاست کی سطح پر سب نے کھڑے ہوکر اس کا استقبال کیا نیز شہر کو جھنڈوں وغیرہ سے بھی سجایا گیا تھا۔17ے

وید کے معنی ومفہوم پر دسترس تعلیم کا لازمی جزو تھا۔ یہ محض ویدک متن نہیں تھے جو مطالعے میں شامل تھے۔ طالب علم کو یجُر وید (Yajurveda) اور سام وید (Samaveda) کی عبارتوں کے ساتھ ساتھ واکوسوا کیا (Vakosvakya)، اتہاس (Itihasa) اور پران (Purana) جیسے مضامین بھی سیکھنا پڑتے تھے۔

18؎ تعلیم کی ویدوں پر مشتمل شاخوں میں مطالعہ کا مندرجہ ذیل نصاب شامل تھا جو تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ان مضامین میں ریووویہ (Riuvveya)، جوویویہ (Jauvveya)، سمویہ (Samaveya)، اتھاونویہ (Athavvanaveya)، اتراسا (Itrhasa) (پرانا)، پانچواں وید (the fifth Veda) نگھنٹو (Nighantu)، چھٹا وید سنکھنہ (sankhana) (ریاضی)، سکھڈ (sikkhd) (صوتیات)، کپّا (kappa) (رسم)، وگرانا (vagarana) (گرائمر)، چھنڈ ہا (chanda) (میٹر)، مرئت (mrutta) (مثال)، اور جوائسہ (joisa) (فلکیات—علم نجوم) پر مشتمل چھ وینگا اور چھ اپنگاس (Upangas) شامل تھے۔جن میں ویدنگاس (Vedangas) اور ستیہ تانتا (Satthitanta) کے اندر پیش آنے والے مضامین کی مزید وضاحت شامل تھی۔ اُتّرادھینَ (Uttaradhyayana) کی شرح میں چودہ کے قریب مضامین کا ذکر ملتا ہے۔19؎

منو (Manu) نے مطالعے کے چودہ مضامین کا تذکرہ کیا ہے جس کے مطابق چار وید اور اس میں موجود چھ لوازمات میمانّسا (Mimainsa) منطق، قدیم داستانیں اور اخلاقیات شامل تھے۔یہ بھی مشورہ دیا گیا تھا کہ ویدوں کا ان کے لوازمات کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان لوازمات میں صوتیات (phonetics)، کلپ (kalpa) یعنی دنیا کی ابتدا سے خاتمے تک کا علم، گرامر، میٹرکس، فلکیات اور لسانیات شامل تھے۔20؎ اس کے علاوہ تھانگا (Thananga) میں پیشن گوئی اور شگون وغیر کا علم جس سے آنے والے حادثات اور تباہیوں کا علم حاصل کرنے کا دعویٰ کیا جاتا تھا، جادوٹونے، منتر، غیب بینی، باسٹ (62) فنون اور فنِ تعمیر وغیرہ شامل تھے، سکھائے جاتے تھے۔ان میں شامل علوم کی درجہ بندی یوں کی جاسکتی ہے:

1۔ پڑھنا اور لکھنا جس میں تحریر اور ریاضی شامل تھے۔شاعری جس میں شعر کہنا، آریاؤں کی شاعری کا علم اور اس سے متعلق دوسری چیزیں شامل تھیں۔

2۔ مجسمہ سازی، مٹی سے اشیاء بنانا، فنِ تعمیر جس میں عمارت سازی، جگہوں، کیمپوں اور شہروں کی پیمائش اور موسیقی کا علم شامل تھے جس میں رقص، گانے، آلاتِ موسیقی، موسیقی کی مختلف اقسام، ڈھول اور موسیقی کیاوقات کا علم شامل تھا۔

3۔ جوا، جسمانی کھیل، جوا کھیلنا، نَرد کھیلنا، شطرنج کھیلنا، گڑیا اور مختلف اشیا بنانا شامل تھا۔

4۔ ذاتی حفظانِ صحت، بیت الخلا اور کھانے سے متعلق اصول۔ ان میں کھانے پینے، کپڑوں، بیت الخلا اور بستر کے اصولوں کے ساتھ ساتھ چاندی، سونے اور دیگر زیورات کے پہننے کا علم، پاؤڈروں کی تیاری، اور پتیوں سے رنگین سجاوٹ، بننے سنور نے کے اصول اور مندروں اور گھروں کی سجاوٹ کے طریقے شامل تھے۔

5۔ مختلف نشانوں اور علامتوں کا علم جیسے مردوں، عورتوں، گھوڑوں، ہاتھیوں، مرغیوں، چھتریوں، غلاموں، تلواروں اور جواہرات کی علامتوں اور ان میں تمیز کا علم۔

6۔ شگونوں کی سائنس جس میں پرندوں سے متعلق علم، فلکیات جس میں ستاروں کی نقل وحرکت اور کیمیا جس میں سونے، چاندی کی تیاری اور تباہ شدہ دھاتوں کو ان کی فطری حالت میں تبدیل کرنے کا علم۔

7۔ لڑائی کا فن، جس میں لڑائی، کشتی، بھاری لڑائی، مکوں سے لڑائی، بازوؤں سے لڑائی، تیروں کا علم، تلوار کا کھیل، تیر اندازی، صف کی تشکیل، پہیے کے انداز میں صفوں کی تشکیل، عقاب کی صورت تشکیل دینا اور رتھوں کی تشکیل وغیرہ شامل تھے۔21؎

تدریس کے طریقے مضمون کی ضرورت کے مطابق ہوتے تھے۔ طالب علم کی پہلی ذمہ داری ویدوں کو یاد کرنا اور ٹھیک انداز سے الفاظ کا تلفظ ادا کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ قانون، منطق، ادب اور روایات وغیرہ جیسے ادبی مضامین کی تعلیم میں فہم اور سمجھ بوجھ کی زیادہ اہمیت تھی۔ مثالوں اور نظائر سے سمجھانے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ خاص طور پر مذہبی تعلیمات مثلاً اپنیشدوں (Upanishads) اور ویدوں کی تعلیم میں واقعات اور مثالوں سے مدد لی جاتی تھی۔ اعلیٰ تعلیم مثلاً دھرم شاستر (Dharam-shastra) کی تعلیم کے لیے درس اور سوالات کا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔ طالبِ علم اپنے اشکالات اساتذہ کے سامنے پیش کرتے اور مسائل پر بحث کرتے تھے اور ان کو یاد کرنا بھی ان طالب علموں کے لیے ضروری تھا۔22؎

ویدوں کے عہد میں طبقہ اشرافیہ کی کچھ عورتوں نے ویدوں اور سنسکرت کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی تھی۔ انہوں نے سنسکرت سیکھی اور ویدک رسومات وعقائد کا مطالعہ کیا۔ ان صحائف کے ابتدائی اور اعلیٰ درجے کی طالبات کی حیثیت سے کچھ اُستانیاں بھی بن گئی تھیں لیکن خواتین آہستہ آہستہ ویدک تعلیم تک رسائی سے محروم ہوگئیں کیونکہ برہمنی مہارت کے نظام نے ان علوم کا حصول گھر کے بجائے ''رہائشی تعلیمی اداروں'' تک محدود کردیا تھا۔ ان پنڈتوں کی بداعمالیوں اور جنسی ہوس کی وجہ سے والدین کو اپنی بیٹیوں کے کنوارے پن کو برقرار رکھنے کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔ آہستہ آہستہ شادی کی رسم نے تعلیم

شروع کرنے کی رسم اپانائن (upanayana) کی جگہ لے لی۔ بہت سارے صحیفوں میں تو خواتین کو ویدک منتر گانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا۔ اس عمل نے انہیں شودر ذات (sudras) کے لوگوں کی طرح بنا دیا تھا جنہیں جان بوجھ کر ویدوں کے علم سے محروم رکھا جاتا تھا۔ تاہم عورتوں کی تعلیم سے دوری تمام ہندو فرقوں میں نہیں تھی۔ تانترک (Tantrikas) اور شری ویشنو (SriVaisnavas) جیسے فرقوں نے لڑکیوں، کنیزوں اور دیوداسیوں کی تعلیم جاری رکھی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں مندر اور درباروں میں کارکردگی پیش کرنے کی روایات کی بھی تربیت دی جاتی تھی۔ 23

عام خواتین میں اعلیٰ تعلیم عام نہیں تھی، لیکن بادشاہوں، رئیسوں اور گنیکوں (Ganikas) کی بیٹیاں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں اور انہیں ذہانت کی تربیت شاستروں (shastras) سے دی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو کام سوتر (Kamasutra) اور اس کے ماتحت علوم (جیسے جنسی معاملات کی کتاب، اور جنسی لذتوں کی کتاب وغیرہ) بھی پڑھائے جاتے تھے۔ 24

قدیم ہندوستانیوں کے مطابق کام سوتر (Kamasutra) اور اس کے ذیلی اداروں کا یہ علم ہر قسم کی خواتین کے لیے بے حد مفید تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ اس تعلیم سے خواتین آزاد و خود مختار ہو جاتی ہیں اور شوہر کی عدم موجودگی میں وہ غیر ملکی علاقوں میں بھی کچھ حاصل کر کے زندہ رہ سکتی ہیں۔ 25 اپنی عصمت و پاکدامنی کو محض چند سکوں کے عوض فروخت کرنے کی قدیم ہندومت میں باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس طرح وہ لوگ خود عورت کو حاصل کرنے اور اس پر اپنی گرفت مضبوط کر کے جنسی تسکین کی راہیں ہموار کیا کرتے تھے۔

قدیم ہندوستان کی تعلیم یافتہ خواتین اور عالمات کے کارنامے، جو طویل عرصے تک غیر شادی شدہ رہی تھیں، وسیع اور مختلف نوعیت کے تھے۔ ویدک دور میں وہ ویدک ادب میں مکمل مہارت حاصل کرتی تھیں اور نظمیں بھی تحریر کرتی تھیں جن میں سے کچھ کو مقدس ادب میں بھی شامل کیا گیا تھا۔ جب ویدک مذہب اور قربانیاں پیچیدہ صورت اختیار کر گئیں تو علم کی ایک نئی شاخ جسے میمانسا (Mimansa) کہا جاتا تھا وجود میں آئی تھی۔

اگرچہ یہ ایک مضمون تھا جو ریاضی سے کم درجے کا تھا لیکن خواتین اسکالرز نے اس میں گہری دلچسپی لی۔ کسکرتسنین (Kasakritsnin) نے میمانسا پر ایک ایسی کتاب مرتب کی تھی جس کا نام کسکرتسنی (Kasakritsni) تھا۔ ایسی طالبات جو اس

میں مہارت حاصل کرتی تھیں، کسکرتسنا (Kasakritsna) کے نام سے جانی جاتی تھیں۔ میما نسا جیسی فنی سائنس میں ماہر خواتین اتنی تعداد میں تھیں کہ ان کی نشاندہی کرنے کے لیے کسی نئی خصوصی اصطلاح کی ضرورت ہو تو معقول طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ عمومی، ادبی اور ثقافتی تعلیم حاصل کرنے والی خواتین تھیں۔

جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُپنیشدی دور (Upanishadic Age) میں فلسفے کا مطالعہ مقبول ہوا تو خواتین نے بھی اس مضمون میں گہری دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔ یاگناولکیِ کی بیوی میتری (Yajnavalkya's Wife Maitreyi) کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ تھا۔ وہ قیمتی زیورات اور ملبوسات پہننے کے بجائے فلسفے کے گہرے مسائل کا مطالعہ کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتی تھی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ بادشاہ جنک (King Janaka) کے زیر اہتمام منعقدہ فلسفیانہ تقریب میں سب سے لطیف فلسفیانہ سوال خاتون فلسفی گارگی واچکنَوی (Gargi Vachaknavi) نے پوچھا تھا۔ یہ سوال اتنا لطیف اور باطنی تھا، کہ یاگناولکیِ (Yajnavalkya) نے عوام میں اس پر بحث کرنے سے انکار کردیا تھا۔ گارگی کے گہرے استدلال اور لطیف جانچ پڑتال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جدلیاتی اور اعلیٰ نظم کی فلسفی تھی۔ اس عہد کی خواتین اسکالرز میں اُتررام چرِت کی اتریئی (Atreyi of the Uttara-Rama-Charit)، سُلَبہ (Sulabha)، وڈوا (Vadava)، پراتھیٹئ (Prathiteyi)، میتری (Maitreyi)، اور گارگی (Gargi) نے علم کی ترقی میں حقیقی کردار ادا کیا تھا۔26؎

اساتذہ کو صرف اور صرف خصوصی طور پر برہمن ذات سے بھرتی کیا جاتا تھا۔ تاہم اس قاعدے میں استثنا کی اجازت تھی۔ بُودّھین (Baudhayana) پریشانی کے وقت غیر برہمن استاد سے تعلیم حاصل کرنیکی اجازت دیتا ہے۔ اس طرح کے غیر برہمن اساتذہ کو برہمن طالب علم اپنی طالب علمی کی طویل مدت کے دوران مناسب احترام اور اعزاز دیا کرتے تھے۔ طالب علم کے لیے استاد کے پیچھے چلنا اور اس کی اطاعت کرنا لازمی تھا۔27؎ قدیم ہندوستان میں طالب علم کو ہمیشہ اپنے استاد کی اطاعت کرنا لازم تھا سوائے اس کے کہ جب استاد اسے کسی جرم کا حکم دے یا کوئی ایسا کام جو اس کی ذات کو نقصان پہنچا سکتا ہو۔ اس کے علاوہ وہ اپنے استاد کی مخالفت نہیں کرسکتا تھا اور اسے ہمیشہ استاد سے کم درجے والی نشست پر بیٹھنا ہوتا تھا۔ مزید یہ کہ جب بھی طالب علم کی اس کے استاد سے ملاقات ہوتی تو اسے اپنے استاد کے پیر کو ہاتھ لگانا ضروری تھا۔

طالب علم سے اس بات کا تقاضا کیا جاتا تھا کہ وہ دیوتا کی طرح اساتذہ کا احترام کرے۔28؎

قدیم ہندوستان میں مجموعی طور پر ماہرینِ تعلیم نے اپنے عقیدے کے مطابق کردار کی تشکیل کو بہت اہمیت دی تھی۔ ویدوں کو بطور وحی سمجھا جاتا تھا اور اسی وجہ سے ان کا تحفظ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ منو(Manu) جیسے مفکرین نے اعلان کیا کہ اچھے کردار اور ویدوں کے سطحی علم والے فرد پر ایسے شخص کو ترجیح دی جانی چاہیے جو اپنی زندگی اور عادات میں تو ناپاک ہو لیکن وہ تینوں ویدوں پر عبور رکھتا ہو۔ تعلیم کا دوسرا مقصد ہندو شخصیت کی ترقی تھا۔ بہت سے مؤرخین نے زور دے کر کہا ہے کہ قدیم ہندی تعلیم نے یکساں نصابِ تعلیم کے ذریعے اور آہنی نظم وضبط کو نافذ کرکے طلبا کے ذہن اور طرزِ عمل کو آلودہ کرنے کے ساتھ ساتھ شخصیت اور فطرت کو دبا دیا تھا۔ فی الوقت ہندوستان میں NEP-2020 یعنی نیو ایجوکیشنل پالیسی 2020 کے تحت ہندوستانی نظام تعلیم میں قدیم ادوار کے تعلیمی طریقے کو رائج کرنے کی طرف زیادہ زور دیا جارہا ہے تاکہ ہندوستان کی قدیم تہذیب وثقافت کی روح کو قائم رکھا جاسکے اور اس سمت میں روحانی طریقہ تعلیم پرانی تہذیبی وراثت کو بحال کرنے کی طرف کوشش کی جارہی ہے۔ NEP-2020 کے تحت حکومت بڑے پیمانے پر ہندوستانی نظام تعلیم کو بدلنے اور پر اثر بنانے کی دعوی کررہی ہے۔ حکومت اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوسکے گی یہ آئندہ دیکھنے والے بات ہوگی۔ فی الوقت پرائمری و اعلیٰ سطح پر اس قانون کے نفاذ پر عمل آوری ہورہی ہے تاہم اس کا کچھ نتیجہ سامنے نہیں آسکا ہے۔

ماخذ:

1. Cybelle Shattuck (1999), Religions of the World: Hinduism, Routledge, London, U.K., Pg. 32.

2. Jagdish Chandra Jain (1947), Live in Ancient India as depicted in the Jain Canons, Bombay New Book Company, Ltd., Bombay, India, Pg. 169.

3. Annie Besant (1925), Indian Ideals in Education, Philosophy, Religion and Art, Calcutta University Press, Calcutta, India, Pg. 8-9.

4. Paul Monroe (1917), A Brief Course in the History of Education, Macmillan & Co. Ltd., London, U.K., Pg. 19-20.

5. D. D. Kosambi (1965), The Culture and Civilization of Ancient India in a Historical Outline, Routledge, London, U.K., Pg. 147.

6. Hartmut Scharfe (2002), Education in Ancient India, Brill, Boston, USA, Vol. 16, Pg. 198.

7. Paul Monroe (1917), A Brief Course in the History of Education, Macmillan & Co. Ltd., London, U.K., Pg. 19-20.

8. A. S. Altekar (1944), Education in Ancient India, Benares Nand Kishore & Bros. Educational Publishers, Benares, India, Pg. 103-104.

9. D. G. Apte (1961), Universities in Ancient India, University of Baroda, Gujrat, India, Pg. 10-11.

10. Nogendra Nath Mazumder (1916), A History of Education in Ancient India, Macmillan & Co. Ltd., London, U.K., Pg. 69-71.

11. C. Kunhan Ranjha (1950), Some Aspects of Education in Ancient India, The Adyar Library, Madras, India, Pg. 27.

12. Paul Fieldhouse (2017), Food, Feasts and Faith: An Encylclopedia of Food Culture in Religions ABC-Clio, California, USA, Vol.1, Pg.448-449.

13. Hartmut Scharfe (2002), Education in Ancient India, Brill, Boston, USA, Vol. 16, Pg. 74.

14. Nogendra Nath Mazumder (1916), A History of Education in Ancient India, Macmillan & Co. Ltd., London, U.K., Pg. 66-67.

15. Encyclopedia Britannica (Online Version):

https://www.britannica.com/topic/education/Education-in-classical-cultures: Retrieved: 18-12-2018.

16. Nogendra Nath Mazumder (1916), A History of Education in Ancient India, Macmillan & Co. Ltd., London, U.K., Pg. 89-90.

17. Jagdish Chandra Jain (1947), Live in Ancient India as depicted in the Jain Canons, Bombay New Book Company, Ltd., Bombay, India, Pg. 170-171.

18. C.Kunhan Ranjha (1950), Some Aspects of Education in Ancient India, The Adyar Library Madras, India, Pg.47.

19. Jagdish Chandra Jain (1947), Live in Ancient India as depicted in the Jain Canons, Bombay New Book Company, Ltd., Bombay, India, Pg. 172.

20. C. Kunhan Ranjha (1950), Some Aspects of Education in Ancient India, The Adyar Library, Madras, India, Pg. 49.

21. Jagdish Chandra Jain (1947), Live in Ancient India as depicted in the Jain Canons, Bombay New Book Company Ltd., Bombay, India, Pg. 169-173.

22. Encyclopedia Britannica (Online Version): https://www.britannica.com/topic/education/Education-in-classical-cultures: Retrieved: 18-12-2018.

23. Denis Cush, Catherine Robinson & Michael York (2008), Encyclopedia of Hinduism, Routledge, London, U.K., Pg. 1016.

24. Wendy Doniger (2007), Daedalus: Reading the Kamasutra: The Strange and the Familiar, The MIT Press, Massachusetts, USA, Vol. 136, No. 2, Pg. 66.

25. H. Chakladar (1954), Social Life in Ancient India, Susil

Gupta Limited, Delhi, India, Pg. 126-127.

26. A. S. Altekar (1944), Education in Ancient India, Benares Nand Kishore & Bros. Educational Publishers, Benares, India, Pg. 207-209.

27. Radha Kumud Mookerji (1989), Ancient Indian Education: Brahmanical and Buddhist, Motilal Banarsi Dass Publishers Private Limited, Delhi, India, Pg. 209.

28. Subhas Chandra Ghose (1989), Teacher – Student Relation and its impact on Student Unrest, Northern Book Center, Delhi, India, Pg. 21.

☆☆☆